ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-34

ماخذ تحقیقی مجلہ

OPEN ACCESS

CC BY NC

آفتاب احمد
لیکچرار اردو، گورنمنٹ ایسوسی ایٹ کالج، جے ۱۷۰، جھنگ
رضوانہ بی بی
لیکچرار اردو، گورنمنٹ پوسٹ گریجوئیٹ کالج برائے خواتین، ہری پور
محمد رضوان خان
لیکچرار اردو، گورنمنٹ پوسٹ گریجوئیٹ کالج برائے خواتین، ہری پور

اختر رضا سلیمی کے ناول "جندر" میں گندھارا تہذیب کے خدوخال

Aftab Ahmed*
Lecturer Urdu Govt Associate College 170/J Jhang.
Rizwana Bibi
Lecturer in Urdu GPGC for Girls Haripur
Muhammad Rizwan Khan
Lecturer in Urdu GPGC Haripur
***Corresponding Author:** aftabahmad9860@gmail.com

Akhtar Raza Salimi's Novel "Jinder" Features Gandhara Culture

The novel "Jinder" is a story from eternity, which began on the day when Hazrat Adam (peace be upon him) chewed the first grain of wheat. This story began as soon as man stepped on the earth and will continue until the trumpet is blown on the Day of Judgment. By eating the first grain of wheat, man had given his existence two grains of millet, and had torn his soul to the wire and the flesh on his body to the fiber. This story started running from the dark paths to the towers of light at the same time when Hazrat Insan first threw a few grains on a stone and hit another stone to fill the hell of his stomach. Of course, he would not have been able to strike the first blow well. The grains that were scattered by his wrong injury were scattered in such a way that even today man is still searching for these grains.

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-34

ماخذ تحقیقی مجلہ

Key Words: *Akhtar Raza Salimi, "Jinder", Gandhara culture, Hazrat Adam (peace be upon him), Day of Judgment, Taxila, Hazrat Insan.*

دنیا کی متعدد قدیم اور اعلیٰ تہذیبیں ہیں جن میں گندھارا کا نام بطور خاص لیا جاتا ہے۔ گندھارا تہذیب کے مآخذ و مظاہر پشاور اور چار سدہ دونوں میں پائے جاتے ہیں۔تہذیب مرکز ٹیکسلا جس کا قدیم نام عکساشلا" تھا۔اس تہذیب و ثقافت کو اختر رضا سلیمی نے اپنے ناول میں بیان کیا ہے ٹکسا" سنسکرت زبان میں کالے ناگ کو کہا جاتا ہے۔قدیم وقتوں میں اکثر و بیشتر باشندے ناگ کی پوجا کرتے تھے جو آریاؤں کی آمد سے قبل یہاں آباد تھے,جس کے بعد آریاؤں نے یہاں طاقت کے بازور پر یہاں حملہ کر کے قبضہ کر لیا اور وہاں اپنی حکومت قائم کرکے اپنے ثقافتی نظام کو رائج کیا۔وادی ٹیکسلا کے قدیم آثار راولپنڈی سے کچھ میلوں کے فاصلے شمال مغرب کی طرف ایک سرسبز و شاداب وادی میں ہیں۔ماہرین ادب کے نزدیک اپنے وقت میں آج سے تقریباً اڑھائی سال قبل یہ شہر علم و ادب کا گہوارہ تھا اور تین بڑے راستے اس لہر میں داخل ہوتے تھے۔ایک ایشیائی ممالک سے ،دوسرا مغرب یعنی یورپ اور تیسرا پشکلاوتی سے گزرتا ہوا دریائے سندھ کو عبور کر کے ٹیکسلا پر اختتام پاتا ہے۔اس کے علاوہ ایک ہری پور ٹیکسلا اور دوسرا رستہ سری نگر۔اسی طرح کے ہی ایک راستے کا ذکر اختر رضا سلیمی نے اپنے ناول جندر میں کیا ہے۔

> ”ان دنوں گاؤں اور اس کے پیچھے موجو د وسیع و عریض سرکاری جنگل کو قصبے سے ملانے والی سڑک نہیں بنی تھی اور جنگل سے قصبے تک جانے کے لیے یہی واحد راستہ ہوا کرتا تھا۔یہ راستہ جواب اتنا تنگ ہو چکا ہے کہ یہاں سے گزرنے والا بہ مشکل اپنے کپڑوں کو جھاڑیوں میں الجھنے سے بچاتا ہے ، تب خاصا چوڑا ہوا کرتا تھا۔سرکاری نقشے میں، یہ اب بھی جنگل سے لے کر قصبے تک پورے گیارہ فٹ ہے ، مگر عدم گزران کے سبب، اس کا حقیقی وجود سکڑ کر فٹ بھر ہی رہ گیا ہے۔یوں تو یہ رستہ صدیوں سے موجود ہے اور ایک روایت کے مطابق یہ کسی دور میں کشمیر کو ٹیکسلا سے ملاتا تھا۔اور نیپال اور ہندوستان کے دور دراز علاقوں سے تعلق رکھنے والے طالب علم، اسی رستے سے گزر کر ٹیکسلا یونیورسٹی میں پڑھنے جایا کرتے تھے لیکن اسے آج سے کوئی صدی بھر پہلے انگریزوں نے سرکاری

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-34

ماخذ تحقیقی مجلہ

جنگل میں آمد و رفت کے لیے ہموار کیا تھا اور اس کی چوڑائی گیارہ فٹ مقرر کی تھی۔ انگریز افسر اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر یہیں سے گزر کر جنگل کا معائنہ کرنے جاتے تھے۔"(۱)

اختر رضا سلیمی نے ناول" جندر " میں اس راستے کی خوبیوں اور خامیوں دونوں کو بیان کیا ہے۔کیونکہ یہ ایک پہاڑی وادی ہے اس لیے اس راستے کی ناہمواری میدانی علاقوں کی ناہمواری سے مختلف ہے۔وہاں راستوں میں آنے والی مشکلات بھی الگ ہیں۔ یہی وہ چیزیں جن کو اختر رضا سلیمی نے اپنے ناولوں میں ثقافتی تناظر میں بیان کیا ہے۔

اختر رضا سلیمی نے ناول میں اس راستے کی خوبیوں اور خامیوں دونوں کو بیان کیا ہے کیونکہ وہ وادی ایک پہاڑی وادی ہے، اس لیے اس راستے کی ناہمواری میدانی علاقوں کی ناہمواری سے مختلف ہے وہاں راستوں میں آنے والی مشکلات بھی الگ ہیں۔ یہی وہ چیزیں جن کو اختر رضا سلیمی نے اپنے ناولوں میں ثقافتی تناظر میں بیان کیا ہے۔

ٹیکسلا دارالسلطنت کی حیثیت رکھتا ہے یہاں تین بنیادی تہذیبوں کا امتزاج نظر آتا ہے اور اسی تہذیب کی وجہ سے وہاں کے ثقافتی پہلوؤں میں جگہ جگہ یہی تین تہذیبیں نظر آتی ہیں جن میں ہندوستانی، ایرانی اور یونانی تہذیبوں نے اس علاقے کو ایک کثیر الثقافتی علاقہ بنادیا اور ٹیکسلا کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔جس طرح دلی کا ذکر بطور خاص اور علم و ادب کی بنیادی حیثیت کا حامل تھا یو نہی ٹیکسلا بھی دور دراز سے لوگ علم کے حصول کے لیے آتے رہے۔ڈاکٹر رشید امجد کی مرتبہ کتاب میں قدرت اللہ فاطمی نے اپنے مضمون میں لکھا ہے کہ:

"چھٹی صدی قبل مسیح میں ٹیکسلا(ٹیکسلا، کشیشیلا) یونیورسٹی کے قیام کے بعد ٹیکسلا اپنی تاریخ کے بلند ترین مقام تک پہنچ گیا۔یہ یونیورسٹی تاریخ انسانی کی قدیم ترین اور منفرد درس گاہوں میں سے ایک ہے۔اس یونیورسٹی نے مہاتما بدھ کے پیغام کو وسطی ایشیا اور مشرق بعید تک پہنچایا۔"(۲)

جندر میں اختر رضا سلیمی نے پہاڑی علاقے کی ثقافت کو بیان کیا ہے۔پہاڑی علاقے میں موجود پتھریلے راستے پہاڑوں کی جھاڑیوں کو ذکر کیا ہے۔ وہاں کے پتھر یلے تنگ و تاریک راستوں کے علاوہ

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-34

ماخذ تحقیقی مجلہ

وہاں کی بودوباش بھی دوسرے علاقوں سے ثقافتی اعتبار سے مختلف ہے۔ وہاں کے لوگوں کی شادی کی رسوم و رواج میں ڈولی کی رسم ہوتی ہے اور جس گھر میں عورت کی ڈولی اترتی ہے اسے نصیحت کی جاتی ہے۔

"جندر" میں مصنف نے اس علاقے کے ماحول وہاں کے لوگوں کے رہن سہن کو بیان کیا ہے۔ وہاں کے علاقے کے مکینوں کے صحن کچے ہوتے ہیں کیونکہ وہاں دیہاتی ثقافت ہے وہاں کے لوگ لکڑیاں بطور ایندھن استعمال کرتے ہیں۔ وہاں پر گیس کا کوئی تصور نہیں ہےاور زیادہ تر عور تیں لکڑیاں خود ہی لاتی ہیں اور صحن چونکہ کچے ہوتے ہیں اس لیے انہیں لکڑیاں جلانے کے لیے کسی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ وہاں لوگ صحن میں کچے چولہے بناتے ہیں اور آگ جلا کر کھانا بناتے ہیں۔ یہی کچھ وہاں کے لوگوں کے ماحول کا حصہ ہے۔ علاقے میں چونکہ سبزہ بہت زیادہ ہوتا ہے۔ لوگ زیادہ تر جانور پالتے ہیں اور جانوروں میں وہ ست جانوروں کو نہیں پالتے وہاں لوگ زیادہ تر بکریاں، گائے، مرغیاں اور اس طرح کے پرندے اور جانور پالتے ہیں۔ جس کا تذکرہ کرتے ہوئے ناول کا مرکزی کر دار "جند روئی" اپنے الفاظ میں یوں بیان کرتا ہے:

> ”میری زندگی کی پہلی یاد اس بکری کے دو سینگوں سے جڑی ہوئی تھی جیسا کہ میرے باپ نے مجھے بتایا تھا۔ میری ماں نے اپنی موت سے کوئی چار پانچ ماہ پہلے خریدا تھا اور دادی کی وفات کے بعد جب میرے باپ نے مجھے جندر پر ساتھ لے آنے کا منصوبہ بنایا تو اسے بھی ساتھ لے آیا کہ اب گھر میں اس کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ جندر پر آنے کے کچھ عرصے بعد بکری نے دو بکر وٹے دیے جنھوں نے میری تنہائی کو ایک حد تک کم کر دیا۔“[۳]

گاؤں میں چونکہ نوکریوں کے موقع کم ہوتے ہیں لوگ زیادہ تر نوکریوں کی تلاش اور ضروریات زندگی اور معاشی ضرورتوں کے پیش نظر شہروں کا رخ کرتے ہیں اور وہاں ہی کاروبار کرتے ہیں۔ گاؤں میں رہنے والے لوگ بھی زیادہ تر شہر کو ترجیح دیتے ہیں اوراس بات کو معیوب نہیں سمجھتے وہاں پر زیادہ تر مرد شہر آ کر پیسے کماتے ہیں اور ان کا خاندان اور بیوی بچے گاؤں میں رہتے ہیں۔ ہری پور ہزارہ کے لوگ بھی معاشی ضروریات کے پیش نظر نقل مکانی کرتے ہیں۔

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-34

ماخذ تحقیقی مجلہ

اکثر گاؤں اور اس کے مضافات میں میلوں اور عرسوں کا اہتمام کیا جاتا ہے اور زیادہ تر میلوں ٹھیلوں میں لوگوں کی سیر و تفریح کا بھی انتظام کیا جاتا ہے۔ اسی طرح "جندر"میں بھی اختر رضا سلیمی نے بیان کیا ہے کہ وہاں کے لوگ میلوں میں مختلف جانوروں اور پرندوں کی آپس میں لڑائی کرواتے ہیں اور اس سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور وہاں کے لوگ باقاعدہ مرغوں،کتوں اور اس طرح کے پالتوں جانوروں کو مخصوص غذائیں کھلا کر انہیں لڑائی کے لیے تیار کرتے ہیں اور گھر میں ان کو پالتے ہیں اور بڑے را جا بادشاہ سزا کے طور پر جلاوطن یا عمر قید کرنے کے بجائے انہیں بھو کے کتوں کے آگے ڈال دیتے ہیں۔راجاؤں اور بادشاہ کے حکم عد ولی نا ممکن تھی اس لیے جو راجا سزا مخصوص کر دیتا تھا وہ ضرور ملتی تھی یہی اس پرانے دور کا ماحول تھا۔اختر رضا سلیمی نے بھی انہیں حالات کی وضاحت اس طرح کی ہے۔

> ”وہ اچانک اپنی کرسی سے اُٹھا، ان دونوں سمیت ، وہاں بیٹھے تمام لوگوں کو ساتھ لیا اور جندر کی طرف چل پڑا۔وہاں پہنچ کر اس نے ایک نظر، جندر کے صحن میں پڑے ہوئے بھاری پاٹ پر ڈالی اور اعلان کیا کہ ان دونوں کو یہ پاٹ اٹھا کر پورے ایک میل تک چلنا ہو گا اور اگر وہ ایسا کرنے میں ناکام رہے تو انھیں ، میرے چار خوں خوار کتوں کا مقابلہ ایک بند کمرے میں کرنا پڑے گا۔“ (۴)

وہاں گاؤں میں اکثر اوقات سزا کے طور پر جرمانہ عائد کیا جاتا یا اسے جسمانی سزا دی جاتی۔ اس سزا میں کسی قسم کی کمی یا زیادتی نہیں کی جاتی۔ اس پر عمل کرنالازم ہوتا۔ یہاں بھی مصنف نے ایسی ہی سزا کا ذکر کیاہے۔گاؤں میں بچیوں کو سکول پڑھانے کا رواج بہت کم ہوتا ہے زیادہ تر بچیوں کو گھریلودستکاری اور گھر کے کام کا امتحان دیا جس کے بعد یہ ریت بھی چل پڑی تھی کہ اب بچیوں کو سکول پڑھایا جائے۔ جندر سے لیا گیا اقتباس اس ثقافتی پہلو کو بیان کر رہا ہے۔

> ”وہ ہمارے گاؤں کی پہلی میٹرک پاس لڑکی تھی۔ان دنوں ہمارے ہاں لڑکیوں کو پڑھانے کا رواج ہی نہیں تھا، جو لوگ تھوڑے باشعور تھے وہ بھی یہ مشکل پرائمری تک ہی بچیوں کو تعلیم دلواتے تھے کہ لڑکیوں کا ہائی سکول ان دنوں

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-34

ماخذ تحقیقی مجلہ

صرف بڑے قصبے میں تھا جو یہاں سے سات میل دور تھا۔ قریبی گاؤں میں صرف لڑکوں کا ہائی سکول تھا اور لوگ مخلوط تعلیم کے حق میں نہیں تھے۔"(۵)

گاؤں کے ماحول میں یہ بات بطور خاص ہوتی ہے کہ سب لوگ ایک دوسرے کو جانتے ہیں اور ایک دوسرے کو رسم تعظیمی ہی پوچھ لیتے ہیں۔ گاؤں میں تقریباً سب ہی ایک دوسرے سے میل میلاپ رکھتے ہیں اور مل جل کر بیٹھتے اور باتیں کرتے ہیں۔یہی خالص دیہات کی اہم بات ہوتی ہے سب ایک دوسرے کے گھروں میں بغیر کسی جھجھک اور ہچکچاہٹ کے چلے جاتے ہیں۔ ایک دوسرے سے شاید انسانیت کا رشتہ بھی اسی لیے قائم ہو جاتا ہے اور شہر کے لوگ کی نسبت گاؤں والوں کی آپس میں ہمدردی اور بھائی چارے کے جذبات زیادہ ہوتے ہیں۔اسی وجہ سے وہ ایک دوسرے کے خوشی و غم دونوں کے ساتھی ہوتے ہیں۔اسی لیے اس کردار کے مرکزی ہیرو نے بھی شاید یہی بات اپنے والد سے بہت اچھی طرح سیکھ لی تھی "جندر" میں مصنف لکھتے ہیں۔

" چوں کہ وہ ہر تیرے چوتھے دن چچا کے ساتھ جندر پر آجایا کرتا تھا اور میرے ساتھ کھیلتا رہتا تھا اور ہمارے درمیان ایک انسانیت کا رشتہ بھی تھا اس لیے اس کی موت نے میرے دماغ پر گہرا اثر ڈالا۔ میں کئی دن اس کے بارے میں متواتر سوچتا رہا۔"(۶)

ان کے کرداروں میں اہم کر دار جندر روئی کا ہے جو اپنے بیٹے کا تذکرہ کرتا ہے کہ اس کا بیٹا اس سے لگاؤ، محبت اور انسیت کا اظہار تو بہت کرتا ہے لیکن وہ شہر اپنی نوکری اور اپنے ذاتی کام کاج میں مصروف ہونے کی وجہ سے اپنے باپ کا خاص خیال نہیں رکھتا۔ چونکہ گاؤں کے ماحول میں لوگ زیادہ تر نوکریاں شہر جا کر کرتے ہیں اور شہر گاؤں سے کئی میلوں کے فاصلے پر واقع ہے۔باپ اور بیٹے کی محبت میں کسی قسم کا گمان نہیں کیا جا سکتا ہے۔لیکن وہ اس معاملے میں یقیناً محبت پر بے یقینی کا شکار ہے کہ اگر میں مر بھی گیا تو میرے پاس آنے والا پہلا شخص میر ابیٹا راحیل نہیں ہو سکتا ہے۔

"میں نے اپنی موت کے بارے میں اتنا نہیں سوچا جتنا کہ اس آدمی کے میں، جو میرے بعد یہاں۔اس ویران جندر پر آنے والا پہلا شخص ہو گا۔ وہ کون ہو گا؟ اتنے دنوں کی سوچ و بچار کے بعد بھی میں، اس بارے میں، کچھ وثوق سے نہیں

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-34

ماخذ تحقیقی مجلہ

کہہ سکتا۔ ہاں یہ بات میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ میرا بیٹا راحیل نہیں ہو گا۔"(۷)

وہ گاؤں آنے سے پہلے اپنے باپ کو اطلاع کرنے کے بجائے اس شخص کو اطلاع کرتا ہے جو ان کے علاقے کی مسجد کا خادم ہے ۔یہ بھی در حقیقت ثقافتی کردار ہے۔ گاؤں میں مسجد کا ایک خادم لازمی مخصوص کیا جاتا ہے۔معاشرے میں اس کا بہت عزت اور احترام کیا جاتا ہے اور تمام لوگ مل کر اس کی معاشی مدد کرتے ہیں یوں وہ گاؤں کے تمام لوگوں کے حالات و واقعات کے ساتھ ساتھ ان کے گھریلوومعاشی معاملات سے بھی اچھی طرح واقف ہوجاتا ہے۔اپنے آنے کی اطلاع مسجد کے خادم کو پہلے دیتا ہے۔راحیل کی بیوی جو کہ ایک شہری عورت ہے اوراس کے بچے شہر میں ہی پلے ہیں اس لیے اس گاؤں کی تمام رسوم وروایات سے ناواقف ہیں۔اس کی بیوی گاؤں کی ثقافت سے بیزار نظر آتی ہے گاؤں کے ماحول کو پسند نہیں کرتی لیکن وہاں کے معتدل موسم (ٹھنڈک) کے مداح اس کے بچے اور بیوی دونوں ہی نظر آتے ہیں۔وہ ثقافتی حوالے سے تنگ نظر ہے ۔اسے لوگوں کے قریب جاتے ہوئے لوگوں کی پسینوں کی بد بو محسوس ہوتی ہے اور اس کے بچے جو اس موسم میں پڑنے والی سردی کو برداشت کو بھی برداشت نہیں کرتے انہیں اپنے آبائی گاؤں اور ان میں بسنے والے رشتہ داروں سے کوئی انسیت محسوس نہیں ہوتی۔اکثر اوقات اگر سخت جاڑے کا موسم ہو تا تو وہ (جب وہ دسمبر کی چھٹیاں یہاں گزارنے آتے) واپس چلے جاتے ہیں۔اس کی بیوی روایتی بیوی کی طرح خرچوں (اخراجات)پر استفسار کرنے والی اور گاؤں یعنی اپنے سسرال آنے کے خیال سے بھی نکاہت کا احساس کرنے والی ہے جس کے ناول میں اس کے کسی فعل سے بھی یہ محسوس نہیں ہوتا ہے کہ اس دیہات سے کسی قسم کا دلی لگاؤ ہے۔ناول میں اختر رضا سلیمی اس کردار کے رویے کو یوں بیان کرتے ہیں۔

"پھر وہ فوراً اپنی بیوی کو فون کرے گا جس پر یہ خبر بجلی بن کر گرے گی اور یہ سوچ کر اس کا بلڈ پریشر یک دم ہائی ہو جائے گا کہ ابھی دو ماہ پہلے گاؤں سے ہو کر آئے ہیں اب پھر جانا پڑے گا اور پھر اس پر اٹھنے والے اخراجات اس پر مستزاد۔"(۸)

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-34

ماخذ تحقیقی مجلہ

اس ناول میں ایک ہی اہم کردار بابا جمال دین کا کردار ہے جو ماحول اور معاشرے سے حد درجہ مطابقت رکھتا ہے۔وہ ایک روایتی کردار ہے جو جند روئی کے ساتھ مسلسل جڑا ہوا ہے ۔وہ اس کے باپ کا بہترین دوست اور برادری کا ہونے کی وجہ سے اس کا جند روئی کے ساتھ مضبوط تعلق نظر آتا ہے۔جمال دین نے بھی کافی عرصہ جندر پر گزارا اور ہمیشہ اس کے ساتھ وقت گزار تا ہے ۔وہ ایک حقیقی آدمی ہے اور اسے نصیحتیں کر تا نظر آتا ہے۔گاؤں کی مشہور اساطیری واقعات کو جس ثقافتی جزئیات نگاری کے ساتھ جمال دین کے کر دار نے بیان کیا ہے۔ اس سے کہ ہزارہ کی ثقافت کو جاننا نسبت زیادہ آسان لگتا ہے انہوں نے اس دور کے واقعات کو اس طرح بیان کیا ہے کہ قاری کے لیے یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ یہ واقعات اساطیری ہیں یا حقیقت میں اس کی آنکھوں کے سامنے وہ واقعات رونما ہو رہے ہیں۔جمال دین نے وہاں کے علاقوں کے مشہور واقعات کو ثقافتی انداز میں بتایا ہے جس سے اس علاقے کی تہذیب و ثقافت اور ماحول پر اس کے اثرات بھی واضح ہو گئے ہیں۔مثلاً جس انداز میں انہوں نے "جندر" کا تذکرہ کیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ جندر نے کس طرح تمام لوگوں کو آپس میں جوڑا ہوا تھا تمام نکات بیان کیے ہیں۔

اس ناول میں دو اہم کردار محمد خان اور احمد خان ہیں جو غیر مرئی قوت کے حامل ہیں۔ انہوں نے اس دور میں ہونے والے بڑے بڑے محاذوں پر لڑائی کی اور فتح بھی حاصل ہے۔سید احمد بریلوی کے ساتھ مل کر سکھوں کے خلاف جنگ میں کھڑے ہونے کے ساتھ ساتھ انہوں نے راجا کے بنوائے ہوئے جندر کے پاٹوں کو بغیر کسی آسرے کے اکیلے ہی جاتے مقام سے غائب کر کے کئی کلو میٹر دور لے جانے کا کام کیاہے۔وہ ایسے پاٹ تھے جن کو چار پانچ لوگوں نے بھی بمشکل اپنی جگہ سے ہٹایا تھا۔ان پاٹوں کے وزن کا تذکرہ کرتے ہوئے اختر رضا سلیمی لکھتے ہیں۔

> ”وہاں موجود تمام لوگ انہیں پاگل سمجھ رہے تھے وہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے
> کہ جندر کا پاٹ جسے چار یا پانچ آدمی بہ مشکل اُٹھا کر فرلانگ تک لے جاسکتے ہیں،
> یہ دوپاگل اُٹھا کر پورے میل کا فاصلہ طے کر پائیں گے۔“(۹)

دونوں نے مل کے جندر کے پاٹ کو اس طرح اٹھایا جیسے انہوں نے بھوسے کی گٹھڑی اٹھائی ہو تمام لوگوں کو یقین ہو گیا کہ ان کے پاس غیر مری طاقت ہے جس کی بدولت انہوں نے وہ وزنی

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-34

ماخذ تحقیقی مجلہ

پاٹ اٹھا لیے اور جندر کی بنیادی رکھی جو اس معاشرے کی ثقافتی شہ رگ ہونے کے ساتھ ساتھ اس ماحول کی بنیادی ضرورت تھی۔ان دونوں نے وزنی پاٹ اُٹھانے سے پہلے جو تیاریاں کی وہ سراسر گاؤں کے ماحول کی عکاسی کرتی ہیں۔طاقت کے حصول کے لیے انہوں نے خالص دیسی چیزوں کا انتخاب کیا۔ انہوں نے دیسی گھی اور دیسی مرغے کھائے اور یوں شدید سردی کے موسم میں بھی ان کے جسم پسینے سے شرابور تھے۔

ثقافت معاشرے کے افراد کو جوڑتی ہے۔ہر معاشرے کی تہذیب و ثقافت مختلف ہوتی ہے۔ اس ناول کے ماحول کا مطالعہ کیا جائے تو ہمیں خاص دیہات کا منظر نظر آتا ہے وہ دیہات جو کہ پہاڑی علاقے سے تعلق رکھتا ہے اس کے مسائل بھی اسی کی طرح ہیں۔ یہاں بسنے والے لوگوں اور اس ناول کے متعد د کر داروں کو اگر ماحول کے مطابقت سے پر کھا جائے تو ہمیں ایسا ماحول نظر آتا ہے جہاں میدانی علاقوں کے دیہات کی طرح کے مسائل تو نہیں ہیں بلکہ دوسری چیزیں نظر آتی ہیں۔اس ناول میں موجود کر دار ماحول سے مطابقت رکھتے ہیں۔ مصنف نے یوں پہاڑوں اور چٹانوں کی نظر نگاری اس طرح کی ہے کہ "جندر" پڑھتے ہوئے آپ کو کبھی یہ خیال نہیں آتا کہ آپ کسی اور جانب متوجہ ہوں۔ مصنف نے اس علاقے کی ثقافت کو بیان کیا ہے اور یوں مسائل بھی اسی علاقے کے اجاگر کیے ہیں۔ "حاجرہ" بھی اسی معاشرے سے جڑا ہوا ایک کردار ہے۔جو گاؤں کی لڑکی ہونے کے باوجو د اپنے فیصلوں اور قول و فعل میں نڈر اور بہار تھی۔وہ گاؤں کی واحد پڑھی لکھی لڑکی تھی اور مختلف کتابیں ناول افسانے پڑھ کر ان کے متعلق آزاد نہ اپنے خیالات کا اظہار کرنے اور ان کو سمجھنے کے لیے اکیلی جندر کر میرے پاس آجایا کرتی تھی اور مجھ سے شادی کرنے کا فیصلہ بھی اس کا ذاتی تھی۔حالانکہ جس ماحول میں ہم رہ رہے تھے وہاں لڑکی کا گھر سے باہر قدم رکھنا محال تھا۔اور اس ماحول میں کسی بھی قسم کی خود سری ناممکن حد تک مشکل ہے۔

> ”گھر میں چھ بڑے بھائی اور سکول میں درجنوں لڑکے شاید یہی وجہ تھی کہ اس کی طبیعت میں ایک طرح کا مردانہ پن سا آگیا تھا اور وہ تھی بھی لڑکوں کی طرح نڈر اور بے باک۔ایک دفعہ کسی ہم جماعت لڑکے نے بنتے بنتے اسے آنکھ ماری تو

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-34

ماخذ تحقیقی مجلہ

اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اپنی جوتی اتار کر اتنے زور سے اس کے منہ پر دے ماری کہ بے چارے کی آنکھ پھوٹ گئی۔"(۱۰)

گھر نے دی گئی آزادی نے اس کے اندر خود اعتمادی بڑھادی تھی اور یوں وہ گاؤں کی عام لڑکیوں کی طرح ڈرپوک نہیں تھی۔نہ ہی اس کے اندر ثقافتی مروت اور لحاظ تھا جب وہ لڑ کر گھر آئی تو اسے قطعاً یہ احساس نہیں تھا کہ اس کی وجہ سے اس کے باپ کی سبکی ہوگی۔کیونکہ گاؤں میں عمومی طور پر لڑکیاں ایسی باتوں کو عزت کا خیال و پاس کرتے ہوئے نظر انداز کر دیتی ہیں۔

ناول کے ہیرو سے شادی کا فیصلہ بھی حاجرہ کا ذاتی تھا۔وہ پسند کی شادی کی حامی تھی اس کے خیال میں زندگی کے اس اہم فیصلے کو انسان کو خود کو ہی کرنا چاہیے۔وہ ایسے ہی آزاد خیال مرد سے شادی بھی کرنا چاہتی تھی جو ہم خیال ہونے کے ساتھ ساتھ علم و ادب سے بھی لگاؤ رکھتا ہو۔شادی کے کچھ عرصہ بعد جب اس کے کہنے پر جند روئی نے جندر نہ چھوڑا تو اس نے علیحدگی کا فیصلہ کر لیا۔اور یہ فیصلہ بھی اس نے خود کیا اور پوری زندگی اپنے بیٹے کے ساتھ گزار دی۔جند روٹی کے ساتھ ہونے والی ایک تکرار میں اس نے اپنے خیالات کا اظہار یوں کیا۔

" میں نے ایک آزاد مرد سے شادی کی تھی مجھے کیا پتا تھا کہ وہ جندر کی گونج کا قیدی ہے۔میں ایک معذور مرد کے ساتھ تو زندگی گزار سکتی ہوں لیکن ایک مجبور مرد کے ساتھ نہیں۔(۱۱)

ثقافتی حوالے سے اہم کردار جند روئی کی بیوی حاجرہ کا ہے جو نڈر اور بے باکی ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ایک مشرقی عورت کی زندگی کی کشمکش کی بھی نشاندہی کر رہی ہے۔جو اپنی محنت ، خلوص اور محبت کے بعد بھی آخر میں اکیلے زندگی گزار ردیتی ہے یعنی ناکام ہو جاتی ہے لیکن اس تمام تر صورت حال کے بعد بھی وہ جھکنے سے انکار کر دیتی ہے اور آزاد مرد کے ساتھ زندگی گزارنے کا اظہار کرتی ہے اسے جند روئی کی جندر کی کوک کا قیدی ہونا انتہائی ناگوار گزرتا ہے جس کی وجہ سے علیحدگی کا فیصلہ کرتی ہے۔فریدہ حفیظ نے اختر رضا سلیمی کے اس کردار کے حوالے اپنے مضمون میں لکھا ہے۔

"جندر کا دوسرا اہم ترین کردار جند روئی کی بیوی کا ہے ایک طرف جندر زندگی کی علامت ہے اس کا قیام انسانی تہذیب کے قیام کی کہانی ہے خود جند روئی صدیوں

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-34

ماخذ تحقیقی مجلہ

کی تہذیب اور تمدن اور اخلاقی اقدار کی ٹوٹ پھوٹ کی علامت ہے اور جند روئی کی بیوی ہاجرہ معاشرتی ٹوٹ پھوٹ کے آگے ہتھیار ڈالنے سے انکار کر دیتی ہے۔"(۱۲)

جند روئی کے خیال میں گاؤں سے مضبوط رشتہ ہونا بہت ضروری ہے اور گاؤں میں شرکت کے لیے اور اس سے تعلق مضبوط کرنے کے لیے وہاں کے تمام رسومات و اقدار میں بڑھ چڑھ کر کام کرنا بہت ضروری ہے اس لیے وہ زیادہ تر وقت جندر پر گزارنے کے باوجود گاؤں کی رسومات میں باقاعدگی سے شریک ہو تا تھا۔ اسے ڈر تھا کہ اس کا حال اس کے ماموں جیسا نہ ہو جو پڑھ لکھ کر گاؤں سے رشتہ توڑ کر شہر چلا گیا اور آخر اس کی موت پر اس کے قبر کھودنے کے لیے اس کے بیٹوں اور جند روئی کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔

ب: جغرافیائی مآخذ کے ثقافتی عناصر

لباس

ثقافتی مظاہر کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔مادی حصہ اور غیر مادی حصہ ۔ مادی حصے میں وہ تمام اشیاء شامل ہیں جو ہمیں با قاعدہ اس سے محسوس ہوتی ہیں جن میں ہاتھ سے بنی ہوئی چیزیں ، عام گھریلو استعمال کی چیزیں ، ذرائع نقل و حمل اور دیگر مشینری کی اشیاء شامل ہیں۔غیر مادی حصے میں اقدارو روایات، رسوم و رواج، آداب معاشرت، میل جول، لوک روایات ، علوم وفنون، عقلی اور فکری ادب کا سرمایہ شامل ہے۔

ثقافت کے غیر مادی عناصر کو بسا اوقات انسانی ترقی کا ثبوت نہیں سمجھا جاتا جس طرح کسی مادی عصر کو سمجھا جاتا ہے۔اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ مادی مظاہر مصنوعات مشینری کی شکل میں واضح طور پر دیکھے جاسکتے ہیں اور ان کی با قاعد وافادی حیثیت بھی ہے۔دوسری اہم وجہ یہ ہے کہ ایک خود کار مشین خود کو کسی ماورائی قوت کے بل بوتے پر نہیں ایجاد ہوتی بلکہ اس کے پیچھے ایک مسلسل سلسلہ ایجادات ہو تا ہے اور انسانی تدبیر کاریوں کے ہاتھوں ہی درجہ کمال تک پہنچتی ہے۔اس کے باوجود ثقافت کے غیر مادی مظاہر کوانسانی ترقی کی تاریخ سے خارج نہیں کیا جا سکتا۔کیونکہ اس میں انسانی کو ششوں کا عمل دخل ہو تا ہے۔اس کی افادی حیثیت متنازعہ ہو سکتی ہے۔ لیکن اس حقیقت سے انکار

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-34

ماخذ تحقیقی مجلہ

نہیں کیا جا سکتا کہ رسوم و رواج کے ساتھ ساتھ آداب معاشرت کی شکل میں ایسی کئی صورتیں ہیں جو ماورائی اعتقادات کے پس منظر میں ایک طویل انسانی تجربے کا نچوڑ ہیں۔ جس طرح مادی مظاہر کا ایک طویل تجربات اور تدبیر کا سلسلہ نظر آتا ہے اسی طرح غیر مادی مظاہر جو فضا اور ماحول کو تعمیر کرتے ہیں، کا بھی ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ نظر آتا ہے۔ جو مادی فروغ کی ترقی کے لیے بہت اہم ہے۔ E.Bنے ٹیلر کلچر کے لفظ کی ایک با قاعدہ تعریف بیان کی جس سے اس کے مفہوم کو سمجھنا آسان ہو گا۔

> ''کلچر، علوم و فنون، عقائد ور سوم، اخلاقیات، قوانین ، عادات و اطوار سے ملو وہ طرز زندگی ہے جس کا اکتساب انسان معاشرے کے فرد کی حیثیت سے کرتا ہے۔''(۱۳)

ثقافت کے لیے مختلف تنقید نگاروں نے کلچر کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ثقافت کا تعلق رسوم و رواج، رہن سہن ، اخلاقی اقدار، مذہبی رسوم سے ہے۔ تنہا فرد دنیا میں ترقی نہیں کر سکتا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ارد گرد معاشرے کا ایک حساس طبقہ ہوتا ہے وہ معاشرتی تبدیلیوں کو نہ صرف اپنی ذات کا حصہ بناتا ہے بلکہ اپنے اندر سموتے ہوئے اپنی تخلیقات میں بھی جگہ دیتا ہے اور پھر یہ موضوع عوام الناس کی بحث کا حصہ بنتا تو یہ اجتماعی غم کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔ دنیا میں ایسا کوئی معاشرہ نہیں ہے جہاں ادب کا حصہ تہذیب و ثقافت نہ ہو۔ تہذیب و ثقافت میں گاؤں کے ماحول اور کردار سے لے کر تمام پہلو زیر بحث لائے جاتے ہیں۔ خواہ وہ رسم ورواج ہو یا اساطیر۔ شیما مجید ایک جگہ لکھتی ہیں:

> ''ہر قوم کی ثقافت اور اس کے معیاری عناصر کا تعین اور اس کے تشخص کے مسائل ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔ ہماری دانست میں ثقافت ایک ایسی ہمہ گیر اصطلاح ہے جو ہماری زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط ہے اور اسی انسان نے ثقافت کے جوہر سے ہمارا تشخص پہید کیا ہے۔''(۱۴)

معاشرے کی ثقافت کو اختر رضا سلیمی نے جندر میں بیان کیا ہے۔ وہ ہماری قوم کی پرانی ثقافت ہے جو ہمیں اصل میں اپنے آباؤ اجداد کے ذریعے ورثے میں ملی ہے۔ اس معاشرے میں مذہب اسلام کی واضح چھاپ نظر آتی ہے اور اس کے ساتھ مختلف رسوم و روایات ، طرز زندگی، لباس ،

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-34

ماخذ تحقیقی مجلہ

خوراک ، فنون ، غذائیں ، میلے ٹھیلے اور عرس، کھیل اور تہوار وغیرہ پائے جائے ہیں جو تمام ایک مخصوص ثقافت کی نمائندگی کرتے نظر آتے ہیں۔

اس علاقے کی عوام کے لباس میں مختلف قسم کے انداز پائے جاتے ہیں اس علاقے میں لوگ اپنی روایات اور موسم کے مطابق لباس زیب تن کرتے ہیں۔اس علاقے کو لباس موسم کے ساتھ ساتھ ضرورتوں کو بھی پیش نظر رکھتے ہیں۔ گاؤں میں بزرگ زیادہ تر دھوتری، پگڑی یا سر پر صافہ باندھتے تھے۔یہ گاؤں کے لوگوں کی نمائندگی کرتی ہے۔لباس اور آرائش و زیبائش کے لیے جو فرد زیب تن کرتا ہے وہ اصل میں اپنے علاقے کی تہذیب و ثقافت کی نمائندگی کرتی ہے۔جندر میں بھی اختر رضا سلیمی لکھتے ہیں:

> " ان کا لباس پھٹا پرانا اور میلا تھا اور انہوں نے سر پر بزرگوں کی طرح میلی کچیلی پگڑیاں باندھی ہوتی تھیں اپنی عمر سے بڑے لگنے میں ان کی ان پگڑیوں کا بھی ہاتھ تھا۔" (۱۵)

گاؤں کی ثقافت میں وہ بزرگ یا جاگیر دار اور وہ بزرگ جو پنچایتوں میں شرکت کرتے ہیں وہ زیادہ تر سر پر پگڑی باندھتے ہیں گاؤں میں پگڑی کا عزت و آبرو کی علامت سمجھا جاتا ہے اور زیادہ تر بڑی عمر کے مرد پگڑی باندھتے ہیں۔ گاؤں کے لباس میں پگڑی کو خصوصی اہمیت حاصل ہے اور یہ گاؤں کے معاشرتی ثقافت میں بنیادی حیثیت کی حامل ہے۔

گاؤں میں مخصوص ادارے یا مدرسے میں پڑھنے والے طالب علم کے ساتھ ساتھ بچے کو دیکھ کر اندازہ لگایا جاتا ہے کہ وہ بچہ کسی ادارے سے منسلک ہے۔اکثر اوقات گاؤں میں سکول کے لیے کوئی خاص قسم کالباس مخصوص نہیں کیا جاتا ہے لیکن یہ ناول جس ثقافت کے پس منظر میں لکھا گیا وہ اداروں میں کسی حد تک جدید اصولوں سے بھی آگاہ تھے۔ناول " جندر " میں مصنف لکھتے ہیں

> "جندر کے کمرے کے ساتھ ایک پیار بھی ڈال دیا جس کا مصرف یو نیفارم اور بستہ لٹکنا تھا۔"(۱۶)

ہزارہ میں بھی سکول جانے والے بچوں کے لیے ایک مخصوص لباس متن کیا گیا تھا جو اس کی پہچان تھا۔مرد اور عورت کی تخصیص روز ازل سے جاری ہے۔اسی تخصیص کے ساتھ ساتھ دنیا کے

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-34

ماخذ تحقیقی مجلہ

تمام آرائش وزیبائش میں بھی فرق ہوتا ہے۔مردوں کے کپڑے سادہ ہوتے ہیں لیکن چونکہ عور تیں بناوٹ اور جدید ڈیزائن زیادہ پسند کرتی ہیں اسی طرح مذ ہبی لحاظ سے مردوں کو عور توں جیسے لباس پہننے سے ممانعت ہے اور ہمارے تمام ثقافتی ورثے میں مذہب چونکہ بنیادی حیثیت کا حامل ہے اس لیے کپڑوں میں مردوں کے لباس میں پگڑی، گرتا، دھوتی ، صافہ اور عورتوں کے لباس میں پھول دار کپڑے، چادریں وغیر ہ عام ہیں۔زنانہ کپڑوں میں سب سے اہم جزو شلوار قمیض، دوپٹہ جو مذ ہب کے ساتھ ساتھ ثقافتی ضرورتوں کو بھی پورا کرتا ہے۔اختر رضا سلیمی نے " جندر " میں مردوں اور عورتوں کے کپڑوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

> "میں بازار گیا تو احتیاطاً زنانہ کپڑا بھی لے آیا تھا تا کہ اگر لڑکی پیدا ہو تو وقتی طور پر پریشانی نہ اٹھانا پڑے۔لڑکی کے کپڑے کیوں لے آئے ہو ؟ اس نے میرے ہاتھ میں زنانہ کپڑے دیکھتے ہی کہا تھا۔اس کے لہجے میں سخت برہمی اور غصہ تھا۔ میں نے زندگی میں پہلی دفعہ اسے اتنے غصے میں دیکھا تھا۔اس نے پھول دار زنانہ کپڑے ، میرے ہاتھ سے لے کر زمین پر شیخ دیے تھے اور مردانہ کپڑ اسینے سے لگا لیا تھا، جو اگلے دو ہی دنوں میں تمہارے ننھے منے جوڑوں کی شکل اختیار کر چکا تھا۔" (۱۷)

۱۸۵۷ء کی ناکام جنگ آزادی کے دوران جب اسد اللہ خان غالب کو ثقافتی و تہذیبی تشخص کے حوالے سے ایک انگریز کرنل کے سامنے مسلمان ہونے کے جرم میں پیش کیا گیا اس نے پوچھا کہ کیا تم مسلمان ہو، جو تو مرزانے انتہائی معنی خیز جواب دیا کہ جناب میں ۵۰ فیصد مسلمان ہوں۔انگریز نے حیرت سے استفسار کیا کہ اس بات کا مطلب کیا ہے۔تو مرزا نے جواب دیا کہ جناب شراب پی لیتا ہوں مگر کبھی سور کا گوشت نہیں کھایا۔یہاں مرزا نے اپنا شخصی اظہار انتہائی فصیح و بلیغ انداز میں کیا یہ جواب ان کا اپنی ذات کے بارے میں تصور تھا کہ وہ بنیادی طور پر مذہب اسلام پر ایمان رکھتے ہیں اور ثواب وزاہد سے بھی بخوبی واقف ہیں۔اس بات پر فخر بھی ہے لیکن اپنی طبیعت سے مجبور ہو کر بسا اوقات بھٹک بھی جاتے ہیں۔ایسے معترضہ جملے سے مراد یہ ہے کہ در اصل تہذیبی و ثقافی تشخص کا تعلق انسان کی تصور حیات سے ہوتا ہے۔انسان غیر محسوس طریقے سے اس ماحول اور فضا کا عادی ہو

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-34

ماخذ تحقیقی مجلہ

جاتا ہے۔اس طرح ناول میں جند روئی جس ماحول اور فضا میں پرورش پارہاتھا وہاں کے لوگوں کے ماحول میں یہ بات لازمی سمجھی جاتی تھی کہ وہ کھیتی باڑی سے کسی نہ کسی صورت منسلک رہیں اور کھیتی باڑی کو اولین ترجیح دیں۔

ناول میں جس گاؤں کی ثقافتی ماحول اور رہن سہن کو بیان کیا ہے جند روئی اس کا مرکزی کردار ہے۔وہ اس ناول میں موجودہ ماحول میں رہنے والے لوگوں کے رہن سہن ان کے اخلاق و اطوار کو بیان کر کیا ہے۔گاؤں کے ہاں کھیتی باڑی نہ کرنے والے شخص کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے ان لوگوں کا خیال تھا کہ زمین میں ہل نہ چلانے والا شخص اصل میں زمین سے بے وفائی کر رہا ہے۔اس ثقافتی رہن سہن کو اختر رضا سلیمی نے جندر "ناول میں یوں بیان کیا ہے:

> "ان دنوں گاؤں والوں میں سے اکثر کی گزر اوقات کا واحد ذریعہ کھیتی باڑی ہو تا تھا اور اگر کسی سال کوئی شخص کسی وجہ سے بوائی نہ کر سکتا تو اسے زمین سے بے وفائی کا طعنہ دیامیں دو مر تبہ اپنی زمین پر ہل ضرور چلاتے تھے تاکہ زمین سے بے وفائی کے مر تکب نہ ہوں۔"(۱۸)

گاؤں کے ہاں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اگر کوئی شخص شہر میں روز گار یا کسی غرض سے کوئی اور کاروبار کر لے تب بھی وہ کھیتی باڑی میں اپنا حصہ ضرور ڈالے ایسے لوگ بے شمار تھے جو صرف گاؤں سے اپنا تعلق قائم رکھنے کے لیے کھیتی باڑی اور زمین سے اپنا رشتہ جوڑے رکھنے کے لیے وہ زمین میں ہل ضرور چلاتے اور اکثر اوقات اس عمل سے ان کا نقصان بھی ہو جاتا۔لیکن چونکہ خاندانی روایات کو قائم رکھنے کے لیے وہ کھیتی باڑی میں شراکت داری ضرور کرتے کیونکہ ان لوگوں کا خیال تھا کہ یوں گاؤں سے ان کا رشتہ جڑا رہے گا اور گاؤں کے لوگوں سے ان کے تعلقات استوار رہیں گے۔

> "رکھوالی نہ کرنے کی وجہ سے اول تو زمین میں بیجا گیا دانہ پرندے جگ جاتے تھے۔اوراگر زمین سے کچھ پھوٹ بھی نکلتا تو اسے اڑوس پڑوس کے مال مویشی تباہ کر کے دیتے تھے۔"(۱۹)

جب ہل چلانے کے بعد وہ بوائی کر کے دانا ڈال دیتے اور اس کی دیکھ بھال اور رکھوالی نہ کرنے کی وجہ سے نقصان بھی ہو جاتا لیکن تمام نقصانات کی پرواہ کیے بغیر وہاں کے لوگ کھیتی باڑی

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-34

ماخذ تحقیقی مجلہ

کرتے تھے۔وہاں کے لوگ کھیتی باڑی کے ساتھ ساتھ پالتو جانوروں میں گائے، بکریاں، بھیڑیں، کتے اور بلیاں کو بھی پالتے ہیں۔ گاؤں میں اٹھنے والی جگہ جگہ سے جانوروں کی بو وہاں کے رہن سہن کا بنیادی حصہ ہے۔

گاؤں میں اگر کوئی فوت ہو جائے تو کئی دنوں تک ایک ماتم کا سماں رہتا ہے اور وہاں پر روزانہ عور تھیں جمع ہوتی ہیں اور آنے والے تمام مہمانوں اور لوگوں کے کھانے پینے کے حوالے سے خصوصی خیال رکھا جاتا ہے۔اور یوں گاؤں والے ایک جگہ مخصوص کر لیتے ہیں جہاں مرد جمع ہوتے ہیں اور فاتحہ خوانی کرتے ہیں اور اسی طرح عور تیں روزانہ آتی اور مرے ہوئے کے قریبی رشتہ داروں کو گلے لگا کر روتی ہیں اور بین کرتی ہیں۔جس لوکیل میں یہ ناول لکھا گیا وہاں کے لوگوں کے ہاں بھی یہی رواج عام ہے جس کو اختر رضا سلیمی نے یوں بیان کیا ہے:

> ''ان کے بچے یہاں آکر انسانوں سے زیادہ پڑوسیوں کے ڈھور ڈنگروں سے گھل مل جاتے ہیں اور بلی اور بکری وغیرہ کے بچوں کو تو پکڑ کر گود میں اٹھا لیتے ہیں ان کے لیے الگ سے درد سر ہوں گے کہ اس مصنوعی سوگوار ماحول میں ، جب کہ ان کے پاس کئی دنوں تک تعزیت کے لیے آنے والوں کا تانبا بندھا رہے گا، ان پر کڑی نظر رکھنا ان کے لیے ناممکنات میں سے ہو گا۔''(۲۰)

تمام گاؤں کی عورتوں کا یوں مسلسل آنا اور گھر والوں کو مسلسل غمگین رہنا وہاں کا عام رواج ہے اور ایسا ناممکن ہے کہ کسی مرے ہوئے گھر مرنے کے کئی دن بعد تک بھی صف ماتم نہ بچھی ہو۔ اقربا کو نہ چاہتے ہوئے بھی اداس اور غمگین و پریشان رہنے کی اداکاری کرنی پڑتی ہے ورنہ گاؤں کے آنے والی عور تیں ان کے بارے میں باتیں کرتی ہیں۔یہی وہاں کا ثقافتی رہن سہن ہے۔

حوالہ جات

۱۔اختر رضا سلیمی، جندر، رمیل ہاوس آف پبلی کیشنز، راولپنڈی، اکتوبر ۲۰۱۷ء، ص۲۱
۲۔قدرت اللہ فاطمی (مشمولہ) پاکستانی ثقافت کی بنیادیں، مرتبہ رشید امجد ،۱۹۸۹ء، ص ۱۳۲
۳۔اختر رضا سلیمی، جندر ، ص ۲۱
۴۔ایضاً، ص ۳۴

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-34

ماخذ تحقیقی مجلہ

۵۔ایضاً،ص ۴۸

۶۔ایضاً، ص ۱۰۳

۷۔ایضاً، ص ۹

۸۔ایضاً،۱۱

۹۔ایضاً،ص۳۸

۱۰۔ایضاً،ص۲۱

۱۱۔ایضاً،ص۸۹

۱۲ -ثبات، شمارہ نمبر دوم، جنوری تا جون ۲۰۱۵ء، مدیر ارشد محمود ناشاد، ص ۲۷۴

۱۳ Edward B. Taylor primitive culture Vol. 1 Joh Marry Ltd. London1871, Page 1

۱۴۔شیما مجید، فیض احمد فیض اور پاکستانی ثقافت، مرتبہ کراچی پاکستان اسٹڈی سینٹر، ۲۰۰۶، ص۱۳

۱۵۔ اختر رضا سلیمی، جندر، ص ۳۲

۱۶۔ایضاً، ص ۶۰۲

۱۷ -ایضاً، ص ۵۹

۱۸۔ایضاً، ص ۲۴

۱۹۔ایضاً،ص۲۴

۲۰۔ایضاً،ص۲۴